تاریخ پر ادارہ تحقیقات اسلامی کی مطبوعات کا تجزیاتی مطالعہ

محمد اجمل فاروق ۞

اقوام کی تاریخ عبرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ عروج وزوال کی داستان بھی ہے جو آنے والی نسل کے لیے نئی جہتیں متعین کرتی ہے۔ اقوام و ملل کی تواریخ کو ذکر کر کے ان سے سبق حاصل کرنے کا قرآنی اسلوب دل چسپ ہونے کے ساتھ پر تاثیر بھی ہے۔ جو انسانی اذہان کو فطرتی تقاضوں کے مطابق حقیقی اور سیدھی راہ کے متعلق آگاہی دیتا ہے۔ جب نئی نسل اپنی گم گشتہ میراث کو تاریخ کے اوراق پلٹا کر تلاش حق کے لیے کوشاں ہو تو فیاض ازل اسے نور ہدایت سے ہم کنار کرتا ہے۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں بکھرے ہوئے کارہائے نمایاں راستے پر چلنے والے مسافر کے لیے مینارہ نور، جب کہ شخصی اور ملی سیاہ کاریاں، تنگ و تاریک راستے ہیں جو رہ نمائی اور عبرت کا بہترین ذریعہ ہیں۔

ادارہ تحقیقات اسلامی نے اس جہت کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ علمی، معاشرتی اور اقوام کی تاریخ پر درجنوں کتب شائع کی ہیں جو صاحبان علم و فن کا عظیم سرمایہ ہیں۔ مقالہ ہذا میں ان میں سے چار کتب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ جن کا تعلق کسی تاریخی جہت سے ہے تاکہ تاریخ پر ادارہ کی مطبوعات کا تعارف اور مؤلفین کے مناہج سے عصر حاضر کے محققین کو آگاہ کیا جائے۔

۱- اندلس کی اسلامی میراث

تعارف

یہ کتاب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی مطبوعہ اشاعت دوم (۲۰۰۵ء) بسلسلہ نمبر ۱۰۷ ہے۔ ۷۹۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ادارہ کے سہ ماہی مجلہ **فکر و نظر** کے دو خصوصی شمارہ جات ۲۸ اور ۲۹ (اپریل۔ دسمبر ۱۹۹۱ء) بنام "اندلس کی اسلامی میراث" کو اپنے وجود میں لیے ہوئے ہے۔ احباب علم اور محققین کے ہاں ان مقالات نے

۞ لیکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، فیصل مسجد کیمپس، اسلام آباد۔
(hajmalfarooq@hotmail.com)

اعلیٰ علمی معیار کے سبب دل چسپی اور توجہ حاصل کرنے کے ساتھ عام قاری کو بھی متاثر کیا، یوں خصوصی شمارہ جات کے دونوں نسخے دو مرتبہ اشاعت کے باوجود لوگوں کی علمی تشنگی کو پورا نہ کر سکے۔

اہل علم کے بھرپور اصرار پر ادارہ نے اسے ایک مستقل کتاب کے طور پر شائع کرنے کا فیصلہ کیا، جس کی اشاعت اول ۱۹۹۶ء میں اور اشاعت ثانی ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین اس وقت **فکر و نظر** کے مدیر جناب ڈاکٹر صاحب زادہ ساجد الرحمٰن نے کی۔[1] **اندلس کی اسلامی میراث** ایک افتتاحیہ اور ۱۲/ ابواب پر محیط اسلامی اندلس کا تاریخی سفر ہے ۔ مقالات کی ترتیب اسلامی علوم اور سائنسز کے اعتبار سے کی گئی۔ ابواب کے عنوانات اسلامی علوم سے لیے گئے ہیں۔ کثرتِ مقالات کے سبب بعض ابواب میں ایک سے زیادہ مقالات شامل ہیں۔ کتاب کا حرف آغاز ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے تحریر کیا ہے، جب کہ پیش لفظ ڈاکٹر صاحب زادہ ساجد الرحمٰن کا ہے۔ یہ تاریخی دستاویز دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیق کے اصول و تکنیک پر بھی پورا اترتی ہے۔

کتاب کا موضوع "تاریخ" اور "تہذیب اسلامی" ہے۔ جس میں اسلامی اندلس کی تہذیب و ثقافت، علوم و فنون اور شخصیات و کتابیات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ تحقیقی اعتبار سے اس کتاب کا منہج تاریخی اور وصفی ہے۔ محققین نے تاریخی اعتبار سے اندلس کی سرزمین پر ہونے والے کارہاے نمایاں سے مخصوص انداز میں نئی نسل کو متعارف کروانے کے ساتھ زوال کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔

مندرجات کتاب

مقالے کا عنوان "سپین میں اسلام کی سرگزشت" ہے اور مقالہ نگار کا نام ڈاکٹر محمد خالد مسعود ہے۔[2] ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے حصہ میں اسلامی اندلس کی تاریخ اور دوسرے حصے میں اس کی ثقافت کو علمی اور فنی اعتبار سے بیان کیا ہے۔

اسلامی اندلس کا تاریخی تعارف کرواتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اس کے نام اندلس ہونے کی وجہ تسمیہ کا ذکر مختصراً کرتے ہیں کہ اسلامی فتوحات میں یہ نام عربوں کے ہاں معروف ہو گیا۔ عربوں نے کس وجہ سے اس علاقہ کا نام "اندلس" رکھا؟ ڈاکٹر صاحب نے یہ ذکر نہیں کیا۔[3] مزید لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ سپین اور ہسپانیہ بھی کہلاتا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صاحب **فکر و نظر** کے سابق ایڈیٹر اور بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے سابق نائب صدر رہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمد خالد مسعود، سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے سابق ڈائریکٹر رہے ہیں۔

۳۔ اس کا نام اندلس ہونے کی وجہ ایک تاریخی تحقیق کا تقاضا کرتی ہے۔

اس کے آثار کی تاریخ بیس ہزار سال پرانی ہے۔ یہاں انسانی تمدن کے آثار ترقی یافتہ انداز میں ملتے ہیں یہاں کے لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت تھا اپنے دفاعی اوزار کے ساتھ جنگجو اور وحشی تصور کیے جاتے تھے۔

سپین میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ اموی دور (۶۶۱– ۷۵۰ م) میں خلیفہ ولید بن عبد الملک (۶۶۸– ۷۱۵م) کی اجازت سے شروع ہوا۔ جسے موسیٰ بن نصیر (۶۴۰– ۷۱۶م) نے آٹھویں صدی عیسوی میں اپنے دو سپہ سالار طریف اور طارق بن زیاد کے ساتھ، سپین کو باقاعدہ اموی خلافت کا حصہ بنا دیا۔ یوں ڈاکٹر صاحب نے اندلس کا تاریخی عروج اموی امارت سے اموی خلافت جو کہ خلافت دمشق سے الگ ایک دوسری خلافت کی بنیاد و ارتقا تھا، کو بیان کیا بعد ازاں اندلس کے مجموعی زوال کو سقوط غرناطہ پر اختتام کیا۔ مسلمانوں پر ابتلا و آزمائش سقوطِ غرناطہ کے بعد شروع ہوا۔

اسلامی اندلس کی ثقافت، صنعت و حرفت اور لسانیات میں تنوع اور ترقی پورے یورپ میں مشہور تھی جسے مثالوں کے ساتھ بیان کیا مگر ڈاکٹر صاحب نے ہوامش و حوالہ جات کے بغیر اپنا مقالہ مکمل کیا اور اسے مقدمہ کے طور پر کتاب کی ابتدا میں رکھا ہے جو ایک دل چسپ تاریخی داستان ہے۔

باب اول: تفسیر

تفسیر کے باب میں ایک مقالہ "علمائے اندلس کی تفسیری خدمات" از ڈاکٹر محمد طفیل شامل ہے ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں اہل اندلس کی تفسیری خدمات کا مختصر ذکر کیا، دو کالموں میں پیش کیا ہے۔ ایک کالم میں مصنف کا نام، لقب اور سن وفات جب کہ دوسرے میں اس کی مشہور تصنیفات، تاکہ ایک ہی مصنف کی دیگر کتب سے آگاہی بھی ممکن ہو سکے۔ مقالہ کے دوسرے حصہ میں اسلامی اندلس کی پانچ نمائندہ تفاسیر کا تفصیلاً تعارف پیش کیا ہے، تاکہ اہل اندلس کا دیگر علوم کی طرح تفسیر اور قرآنی علوم میں رجحان اور منہج واضح ہو سکے اور اہل علم و تحقیق کے لیے استفادہ بھی ممکن ہو سکے۔[۴] ان پانچ تفاسیر میں امام قرطبی اور ابن العربی کی مشہور زمانہ تفاسیر کو بھی شامل کیا ہے۔

۴– محمد طفیل "علماء اندلس کی تفسیری خدمات" مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث**، صاحب زادہ ساجد الرحمٰن، ترتیب و تدوین: (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء)، ۳۲۔

باب دوم: حدیث

مذکورہ باب میں ڈاکٹر سہیل حسن کا مقالہ "اندلس میں علم حدیث اور محدثین کرام" ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: اس خطے میں بقی بن مخلد، حافظ ابن عبد البر اور قاضی عیاض جیسے ماہرین فن اور محدثین پیدا ہوئے۔[۵]

موطأ امام مالک کو حضرات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد براہ راست ان سے لے کر قرطبہ پہنچے، جب کہ **صحیح بخاری** اندلسی محدث ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم الاخیلی کے واسطے سے پہنچی۔ ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی حدیث کے دیگر علوم میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ بعد ازاں اسلامی اندلس کے مختلف شہروں کے محدثین کا تعارف پیش کیا۔ آٹھ صدیوں پر محیط اندلس کی اسلامی تاریخ میں پھیلے ہوئے مشہور محدثین کا تعارف اور ان کے علمی کارہائے نمایاں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے محدثین کی دیگر کاوشوں کو بھی بیان کیا ہے کہ وہ علم حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی مصروف رہے ہیں۔

باب سوم: سیرت

"اسلامی اندلس میں سیرت نگاری کا ارتقاء" ڈاکٹر نثار احمد کے قلم سے اندلسی سیرت نگاروں کے تعارف اور ان کے فنِ سیرت پر معلومات کا ذخیرہ ہے جس میں پہلی ہجری میں بکھری ہوئی سیرت کی معلومات سے لے کر پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے ارتقا کا زمانہ شامل ہے۔ نام مع مشہور کنیت، ولادت و وفات، وطن اور سیرت پر ان کی کتب کو ایک فہرست کی صورت میں بیان کیا ہے۔ ابتدا ڈاکٹر صاحب نے اندلس کے زوال اور اس غیر مسلم مفکرین کی ناقدانہ آرا بھی شامل کی ہیں۔ جن کا سیرت نگاری سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مزید برآں اندلس کے دورِ زوال میں بھی سیرت نگاری جاری رہی ہے اور ڈاکٹر صاحب نے اس دور کے گمنام سیرت نگاروں کو بھی معاصر محققین تک پہنچایا ہے۔

باب چہارم: فقہ

اس باب میں بھی میاں محمد صدیقی کا ایک مقالہ "اندلس میں فقہ مالک کا ارتقاء" کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔ یہ فقہ کا زمانۂ نبوت سے تعلق و ارتقا سے لے کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شخصی تعارف تک ایک خوب صورت

۵۔ سہیل حسن "اندلس میں علم حدیث اور محدثین کرام" مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث**، ۳۷۔

اور جامع تحریر ہے۔ مشہور فقہاے مالکیہ کے تعارف کے علاوہ ان کی وہ کتب جو فقہ اور علم اصولِ فقہ کے دائرہ سے خارج ہیں، ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ان فقہا کی دل چسپی کے دیگر میادین بھی بیان کیے ہیں خصوصاً ابن رشد کا تعارف مقالے کے آخر میں کروایا جس میں اس کے فلسفی ہونے کے علاوہ فقہ کی طرف اس کے میلان اور کام پر تبصرہ کیا ہے۔

باب پنجم: تاریخ

یہ باب تین مقالہ جات پر محیط ہے، تاریخ کے دریچے کو وا کرنے کے لیے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اپنا مقالہ "اندلس کا رازی خانوادۂ مؤرخین" اندلس کی اسلامی میراث میں شامل کیا ہے۔ رازی خاندان کی بالترتیب تین نسلیں اندلس کی علمی زمین کو سیر اب کرتی رہیں۔ یہ علم و ادب، منطق و فلسفہ اور تجارت و سیاحت کے شاہ سوار تھے۔ محمد الرازی، احمد الرازی اور عیسی بن احمد الرازی بالترتیب دادا، باپ اور بیٹا اسلامی اندلس کی علمی تاریخ کے نام ور کردار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے تعارف اور کام کی نوعیت سے پردہ اٹھایا ہے۔

اسی باب میں ڈاکٹر امین اللہ و شیر کا مقالہ "اندلس کا عہد ملوک الطوائف" بھی شامل ہے۔ یہ اسلامی اندلس کا وہ عہد ہے جب مرکزی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، عظیم سلطنت مختلف ٹکڑوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مضبوط سیاسی قوت مفقود تھی۔ مگر اس کے باوجود علم و فضل، حکمت و دانائی اور طب و فلسفہ کے ماہرین اندلس کی ہر اکائی اور ہر یونٹ کی زینت تھے۔ اس سے اسلامی اندلس کی اسلامی میراث کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لغت و ادب کی تاریخ بالخصوص اس مقالے میں زیر بحث رہی ہے۔

پانچویں باب کا آخری مقالہ "اندلس میں تذکرہ نگاری" از ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی ہے۔ سرزمینِ اندلس کے عربی ادب کے معروف شاہ سواروں کے اسما اور ان کی کتب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ہاشمی صاحب نے عربی اور عجمی ادب کے امتزاج سے حاصل ہونے والے علمی اور ادبی کام کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اہل علم کا تعارف، ان کے کاموں کی جہتیں، ان کے بارے میں معلومات کا اکٹھا کرنا ایک کٹھن کام ہے جو کہ اندلس کے ابن الفرضی، ابن بشکوال اور حجاری جیسے افراد نے کیا ہے۔

باب ششم: ادب

اس باب میں چھ مقالہ جات کو شامل کیا گیا ہے۔ اندلسی ادب کے بنیادی مصادر پر ڈاکٹر احسان الحق نے اندلس میں علوم اسلامیہ کی مختلف جہتیں، ان پر ہونے والا ادبی کام، خلفا کے ادوار اور مشہور مصنفین مع تصنیفات

کو تحریر کیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ان تمام جہات کو دو اقسام میں تقسیم ہے۔پہلی قسم خالص ادبی تالیفات اور دوسری قسم کتب تاریخ وتراجم کی ہے۔[۶]

دوسرا مضمون "عربی شاعری اندلس میں" ڈاکٹر خورشید رضوی کی تحریر ہے۔ مضمون نگار نے اندلس میں عربی شاعری کے تاریخی جائزے کے ساتھ ساتھ عرب کی جاہلی شاعری کے ساتھ تقابل بھی کیا ہے۔ جس سے اندلس میں پروان چڑھنے والی عربی شاعری اور عرب علاقے کی شاعری کے درمیان کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ اس تحریر سے مزید ایک نقطہ عیاں ہوتا ہے کہ دونوں کا خمیر عرب قومیت ہے۔

تیسرا مضمون "اندلس میں نعتیہ شاعری کے محرکات و موضوعات" محمد شریف سیالوی کا ہے۔سیالوی صاحب نے اندلس کی نعتیہ شاعری کا اچھوتہ پن ظاہر کیا ہے۔شاعری کی ان اصناف کو قلم بند کیا ہے جنھوں نے مشرقی روایات سے ہٹ کر صرف اندلس کی سرزمین میں نمو پائی ہے۔ان میں توشیخ، تخمیس اور تسدیس میں لکھی جانے والی نعتیں مع امثلہ زینت قرطاس کی ہیں۔ جس سے صاحبانِ علم و فن میں مزید تحقیق و جستجو کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

چوتھا مضمون "اندلس میں عربی نثر نگاری "اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک جدید تحقیق ہے اس مقالے میں عرب نثر نگاری کی تاریخ اور انداز و اسالیب کا مجموعہ ہے یہ حبیب الرحمٰن عاصم صاحب کی تحریر ہے۔ نثری اصطلاحات کے ساتھ ساتھ اندلس کی نثر نگاری کے ارتقا پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

پانچواں مضمون "سقوط اندلس پر شعرائے اندلس کی مرثیہ خوانی" ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا ہے۔ سقوط اندلس بجا طور پر تاریخ اسلام کا افسوس ناک حصہ اور سیاہ باب ہے۔ شعرا نے اپنے اندر بھڑکتی آگ کو مرثیہ خوانی کی صورت میں ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ڈاکٹر صاحب نے اندلس کے اس ادبی گوشہ کو محفوظ کیا ہے۔

ادبی باب کا آخری مقالہ "سپین: اردو کے سفر ناموں کے آئینہ میں" ڈاکٹر رحیم بخش شاہین کی کاوش ہے۔ یہ تحریر سفر ناموں کی تاریخ ہے اور تاریخی مقامات کی منظر کشی بھی جو اندلس کے دونوں ادوار (عروج وزوال) کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

باب ہفتم: اقبالیات

اس میں دو مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ایک "اندلس اور علامہ اقبال "جو ڈاکٹر محمد ریاض کا ہے، جب کہ دوسرا "علامہ اقبال مسجد قرطبہ میں "ڈاکٹر محمود الرحمٰن کا ہے۔

۶۔ احسان الحق "اندلس ادب کے بنیادی مصادر" ، مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث**، ۲۵۷۔

علامہ اقبال کا سر زمین اندلس کے ساتھ تعلق قلبی اور جذباتی ہے۔ امت مسلمہ کو جس عروج میں وہ دیکھتے تھے اس علمی ترقی کو اندلس نے حاصل کیا مگر پھر اس ترقی کو قائم نہ رکھ سکے تو اس زوال کو علامہ نے دکھ کے ساتھ بیان کیا۔ مذکورہ بالا دونوں مضامین میں اس وار فتگی کو بیان کیا گیا ہے۔

باب ہشتم: طب

یہ باب ایک مضمون "اسلامی اندلس کا طبی سرمایہ" از حکیم نعیم الدین زبیری پر مشتمل ہے۔ طب ہر دور کا اہم موضوع رہا ہے۔ اندلسی مسلمانوں نے بھی اس موضوع کو یونانی طب سے لے کر اپنی تحقیق اور مزاج کے مطابق پروان چڑھایا۔ حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ "مسلمان اطبا نے یونانی خیالات کو جوں کا توں قبول کرنے کی بجائے ان کا جائزہ تنقیدی نقطۂ نظر سے لیا ہے۔ اپنے تحقیقی اور تجرباتی مزاج کے مطابق ان میں اضافے بھی کیے ہیں"۔[۷] اندلس کے مشہور مسلمان اطبا کا مختصر تعارف ان کے طبی نسخہ جات کے ساتھ کروایا ہے ان کی طبی ایجادات کو بھی لکھا ہے مزید برآں طب کے میدان میں اندلس کے مسلم حکما نے گراں قدر تصنیفات چھوڑی ہیں جن پر آج یورپ کی جدید میڈیکل سائنس اپنی بنیادیں استوار کرتی نظر آتی ہے۔

مگر ایک تحقیق طلب مطالعہ یہ ہے کہ جدید میڈیکل سائنس کی جملہ شاخیں کسی نہ کسی حکیم و طبیب کے فن کی بنیاد پر قائم ہیں ان میں سے کوئی صاحب فن اندلس کی سرزمین سے بھی تعلق رکھتا تھا؟ اس کے کیا فنی کمالات تھے؟ قدیم و جدید تعلق قابل تحقیق ہے جو کہ اسلامی میراث ہے۔

باب نہم: فلسفہ و کلام

یہ باب فلسفہ و کلام کا مطالعہ ہے جس میں عبید اللہ قدسی کا ایک مقالہ "ابن رشد اور علم کلام" شامل کیا گیا ہے۔ مسلم اندلس کی سرزمین کا شاہ کار نام ابن رشد ہے جسے ارسطو ثانی کہا جاتا ہے اس کے مختصر تعارف کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں ابن رشد کے غیر معروف ہونے اور عالم غرب میں اس کی شہرت کے اسباب اور وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں ابن رشد کا کردار مضبوط ارتقائی حیثیت رکھتا ہے مگر قدسی صاحب نے اپنے مقالہ نگار نے یورپ کے ان فلاسفروں کا تو ذکر کیا ہے جنھوں نے سترویں صدی تک یورپ کے فکری ارتقا میں اہم کردار ادا کیا مگر مسلمانوں کا جو غیر معمولی حصہ رہا ہے اس کا ذکر بالتفصیل نہیں کیا۔ چوں کہ یہ ایک مقالہ ہے اور

۷۔ حکیم نعیم الدین زبیری "اسلامی اندلس کا طبی سرمایہ"، مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث**، ۵۱۱ – ۵۱۲۔

دیگر تفصیلات کا متحمل نہیں اس لیے شاید مقالہ نگار نے ابن رشد و ابن خلدون کے تمام تصنیفی کام اور تراجم کو شامل نہیں کیا۔ مگر قاری اس مضمون کے مطالعے سے اپنے تحقیقی مزاج کے مطابق حظ وافر حاصل کر سکتا ہے۔

باب دہم: شخصیات

اس باب اندلس کی عظیم مسلم شخصیات کا تعارف ہے جس میں چار مقالہ جات، چار مختلف علمی جہتوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے لیے ہیں۔

فقہ میں "امام ابو اسحاق شاطبی"، ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے قلم سے، محدثین وفقہا کی جماعت سے "حافظ ابن عبد البر اندلسی" ڈاکٹر علی اصغر چشتی صابری کے قلم سے، جب کہ فلسفہ وکلام میں "ابن رشد" ڈاکٹر سید علی رضا نقوی کا مقالہ اور خاص علم حدیث پر "محدث اندلس بقی بن مخلد" پروفیسر سلیم شاہ کا مقالہ شامل ہے۔ اس باب میں ہر جماعت کا ایک نمائندہ شخصیت کو علماے اندلس کے تعارف کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خالد مسعود نے اپنے مقالہ میں امام شاطبی کا تعارف، علم اصولِ فقہ کے خاص ماہر کے طور پر کروایا اور بتایا ہے کہ ان کی دو کتابیں **الموافقات** اور **اعتصام** اپنے فن میں یکتا ہیں۔ چشتی صاحب نے ابنِ عبد البر کی سات کتب کا تعارف بھی شامل کیا ہے۔

باب یازدہم: تہذیب وثقافت

اس باب کو اسلامی اندلس کی تہذیب و ثقافت کے لیے منتخب کیا گیا جس میں چار مقالہ جات شامل ہیں۔ پہلا مقالہ وقتی تحدید کے ساتھ ہے "چودھویں صدی عیسوی میں غرناطہ کا تہذیبی و ثقافتی پسِ منظر" ڈاکٹر احتشام بن حسن کی تحریر ہے۔ اس میں زیادہ تر غرناطہ کے زوال کے مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تاریخی انداز میں لکھتے ہوئے تہذیبی اور ثقافتی پہلو کو نظر انداز تو نہیں کیا مگر اسلامی ثقافت سے بھرپور اندلس کی تصویر کشی اس کے پس منظر میں نہ کر سکے۔

دوسرا مقالہ "اندلس میں علمی سرگرمیاں" ڈاکٹر طفیل ہاشمی کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی اندلس کے خلفا، علما، حکما اور فلاسفر کے کارہاے نمایاں ذکر کیے مثلاً لکھتے ہیں: عبد الرحمٰن ثانی آرٹ اور تعمیرات کا دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادبیات اور علوم عقلیہ کی بھی سرپرستی کرتا تھا، اس کے دربار میں یحییٰ بن یحییٰ، ابن الماجشون

اور اصبغ بن الفرج جیسے محدثین، فقہا اور شعرا موجود رہتے تھے۔ اسی دور میں تاریخ میں ابن الاحمر، علم ہیئت میں احمد بن نصر اور علم ریاضی میں ابو غالب جالب نے شہرت حاصل کی۔[۸]

تیسرا مقالہ "اندلس میں مسلم فنِ تعمیر" ڈاکٹر عبد الرحیم اشرف بلوچ کا ہے یہ موضوع کے اعتبار سے ایک اچھوتا اور لاثانی مضمون ہے اس لیے کہ اندلس فنِ تعمیر کا شاہ کار اور یورپ میں اسلامی فنِ تعمیر کی ابتدا تصور کیا جاتا ہے۔

اس باب کا آخری مقالہ "سپین میں معاشی و معاشرتی ترقی (اموی دور خلافت) ڈاکٹر محمد اکرم اور محمد ماجد خان کا قلم پارہ ہے۔ جس میں اموی دور میں ہونے والی معاشی ترقی، مصنوعات اور تجارت کا ذکر ملتا ہے۔ معاشی ترقی کے سبب معاشرے میں پائے جانے والے اثرات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے معاشرے کی تقسیم مسلم و غیر مسلم پھر ان کی مزید تقسیم، ان کا رہن سہن، مزاج اور فکر پر بحث کی گئی ہے مگر یہ موضوع بھی مزید تحقیق طلب ہے۔

باب دوازدہم: کتابیات

آخری اور بارہواں باب کتابیات پر ہے۔ جس میں اختر راہی کا مقالہ "کتاب نامۂ اندلس" شامل ہے۔ یہ مختصر انداز میں اندلس پر علمی تصنیفات کا جائزہ ہے۔ اس کتاب نامہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں کتابوں اور دوسرے حصے میں مقالات کا اندراج ہے۔[۹]

۲- انبعاث الإسلام في الأندلس از علی المنتصر الکتانی

تعارف

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے یہ کتاب ۱۹۹۲ء میں شائع کی۔ یہ کل ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا طبع نمبر ۸۸ ہے۔ سقوط غرناطہ (اندلس) کے پانچ سو سال بعد دنیا نے اندلس کی گم گشتہ تہذیب کی یاد میں کانفرنسز، سیمی نار اور کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اسی سلسلے میں ایک بین الاقوامی کانفرنس اسلامی اندلس کی میراث کو اجاگر کرنے کے لیے ۱۹۹۲ء کو لاہور میں منعقد ہوئی۔[۱۰] ادارہ تحقیقات اسلامی کے اس وقت کے ڈائریکٹر جناب ظفر

۸- طفیل ہاشمی، "اندلس میں علمی سرگرمیاں، مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث**، ۶۶۴۔

۹- اختر راہی "کتاب نامہ اندلس"، مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث**، ۷۵۶۔

۱۰- ظفر اسحاق انصاری "تقدیم"، مشمولہ **اندلس کی اسلامی میراث** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء)، ۲۔

اسحاق انصاری مرحوم نے اس کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا مزید برآں انصاری صاحب مرحوم نے عالم اسلام کے عظیم محقق ڈاکٹر محمد علی الکتانی کو ایک کتاب مرتب کرنے کی فرمائش کی۔[۱۱] جس میں سقوط غرناطہ کے بعد اندلسی مسلمانوں کے حالات و مسائل کو یکجا کیا گیا ہو۔ یوں ان کے کہنے پر **انبعاث الإسلام في الأندلس** وجود میں آئی جس اشاعت کا اعزاز ادارہ تحقیقات اسلامی کو حاصل ہوا۔

مندرجات کتاب

کتاب میں جناب ظفر اسحاق انصاری صاحب کی تقدیم کے علاوہ ۲ مقدمات، ۱۲ فصول اور ایک خاتمہ ہے، جب کہ کتاب کے آخر میں وہ معاہدہ بھی ملحق ہے۔ جو کہ اسلامی اندلس کے آخری خلیفہ ابو عبد اللہ اور دو مسیحی بادشاہوں کے درمیان غرناطہ کو حوالے کرتے ہوئے کیا گیا۔ کتاب کی زبان چوں کہ عربی ہے اس لیے اس معاہدہ کا عربی ترجمہ پیش کیا گیا۔

پہلی فصل میں مصنف نے اندلس میں اسلامی سلطنت کا ارتقائی نقشہ کھینچا ہے۔ اندلس کے وہ بلاد و امصار جو اپنے ارتقائی مراحل میں اسلامی سلطنت کا حصہ بنے ان کو بیان کیا ہے۔ ایک نقشہ میں شہروں کی تفصیل بھی دی گئی ہے تاکہ واضح ہو کہ نصرانی دور میں کتنے شہر مسیحی مملکت کا حصہ تھے، جب کہ مسلمانوں کے مختلف ادوار میں ان کی تعداد بڑھ کر کتنی رہی ہے۔ بعد ازاں اسی فصل کے آخر میں سقوط غرناطہ کی وجوہات کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا۔

دوسری فصل میں اندلس کے مسلمانوں کی ابتلا و آزمائش کو رقت انگیز انداز میں تحریر کیا ہے۔ جس میں ان کو عیسائی بنانے، عدالتوں سے سزائیں دلوانے، زندہ جلانے اور ملک بدر کرنے کی تمام آزمائشوں کا تاریخی بیان ہے۔

تیسری فصل سقوط غرناطہ کے حالات و واقعات کی تاریخ ہے۔ جو کہ ۱۵۶۸ء سے ۱۵۷۰ء تک محیط ہے۔ اس میں مسیحی بادشاہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے اور پھر اس کی خلاف ورزی کی تاریخ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی طرف سے آخری ناکام جھڑپوں کا بھی ذکر ہے۔ اس میں ان مسلمان گروہوں کا تذکرہ بھی شامل ہے جو مسیحی افواج کے ساتھ لڑتے رہے ہیں۔ اور وہ ابو عبد اللہ (آخری مسلمان حکم ران) کے مسیحی بادشاہ فرڈیننڈ کو غرناطہ حوالے کرنے والے معاہدہ کو تسلیم کرنا گناہ سمجھتے تھے۔

۱۱۔ دیکھیے: نفس مرجع، ۲۔

چوتھی فصل غرناطہ (اندلس) سے مسلمانوں کے اخراج کی تاریخی داستان سے متعلق ہے۔ پہلے غرناطہ سے مورسکی مسلمانوں کو بے دخل کیا گیا۔ پھر قشتالہ اور بعد ازاں اراغون سے بھی مسلمانوں کو شمالی افریقہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا یہ ہجرت انفرادی طور پر تھی۔

پانچویں فصل میں ۱۶۱۴ء تک اندلس کی تمام ریاستوں سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی تحریک کا ذکر ہے۔ ریاست بلنسیہ، قدیم ارغوان اور قشتالہ میں جہاں جہاں بھی مسلمان ہجرت کر کے جاتے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا۔

چھٹی فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ مورسکی مسلمان اپنی ہجرت گاہوں اور عارضی پناہ گاہوں میں کیسے زندگی گزار رہے تھے۔ ان کی زندگی کی مختلف جہتوں: ڈیموکریٹک، دینی، معاشرتی، معاشی اور ثقافتی لحاظ سے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

ساتویں فصل میں سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے دوران اسلامی اندلس کا وجود کیسا تھا اس میں وقوع پذیر ہونے والے اجلاس، کانفرنسز اور عدالت کی کارروائیاں کس طرح کی تھیں؟ ان احوال کا ذکر ملتا ہے۔

آٹھویں فصل میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں اندلس کی نئی فوجی تشکیل کا نقشہ ہے اسلامی شعائر اور شناخت کا واپس آنا اور قومی دھارے میں شمولیت اختیار کرنا اندلس کی نئی ارتقائی جہتیں ہیں۔

نویں فصل میں ۱۹۷۵ء تا ۱۹۹۰ء ڈیموکریٹک اندلس کی تاریخ ہے۔ فرانکو کی ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ جمہوری اندلس کا سفر اور جدید اندلس کی علاقائی تکمیل کا ذکر ملتا ہے۔

دسویں فصل میں مصنف نے مختلف افکار و نظریات کے ساتھ وجود پانے والے اسلامی گروہوں کا ذکر کیا، جو اندلس کی اسلامی نشاۃ ثانیہ کے نقیب کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد ان تنظیموں کا بیان ہے جو اندلس سے باہر رہ کر اس پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔

گیارھویں فصل کا موضوع "اندلس میں جماعت اسلامی" ہے۔ اشبیلیہ میں اس کی بنیاد رکھی گئی، پھر کئی بڑے بڑے شہروں میں اس کو پذیرائی ملی، اس جماعت نے انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کا سفر ارتقائی مراحل میں طے کیا، اس میں سیاسی پہلو نمایاں تھا۔ کئی چھوٹے بڑے گروہوں کو اپنے اندر ضم کیا بعد ازاں اندلس کی دیگر جماعتوں کی طرح جمہوری اندلس میں اسلامی کردار ادا کیا۔

بارھویں فصل میں وہ اندلسی مسلمان جو ہجرت کر کے مختلف ممالک میں پہنچے ان کے احوال کا بیان ہے۔ ان میں مراکش، تیونس، افریقہ، ایشیا اور یورپ و امریکہ شامل ہیں۔

خاتمے میں مصنف نے سقوطِ اندلس کے اسباب میں چند نکات اور نئے اندلس کی تشکیل میں کچھ تجاویز بھی نوٹ کی ہیں۔ آخر میں وہ تاریخی معاہدہ جو ابو عبد اللہ اور دو مسیحی بادشاہوں کے درمیان غرناطہ حوالے کرتے ہوئے طے پایا تھا وہ بھی ملحق کیا گیا ہے۔

مصنف کا منہج تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ تحلیلی بھی ہے۔ اندلس کے مسلمانوں کی حالت اور کیفیت کو تصویری انداز میں بھی پیش کیا ہے مصنف نے کسی تاریخی مقام اور شخصیت کے ساتھ اپنی تصویر لے کر اُسے بھی کتاب کا حصہ بنایا ہے۔ مختلف ممالک میں ہجرت کر کے جانے والے اندلسی مسلمان ان ممالک کا حصہ بن چکے ہیں مگر مصنف نے ان کی تعداد ایک جدول کی صورت میں دی ہے جس سے ایک تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاریخی دستاویز ہونے کے ناتے مصنف نے اس کتاب میں جہاں مناسب سمجھا فصول کو تاریخوں میں تقسیم کر دیا تاکہ عروج وزوال کی اس داستان کو سمجھنا سہل ہو جائے۔ مسلمان قوم کی ان کم زوریوں کو جس سے مسیحی قوم نے فائدہ اٹھایا ان کو بھی تاریخ، مسلم بادشاہ، امیر اور خلیفہ کے نام ساتھ بیان کیا، اگرچہ یہ ایک تحقیق طلب امر تھا، مگر اس سے افراد کی پہچان میں آسانی ہوتی ہے۔

آخری فصول میں اندلس کا جدید ارتقائی سفر مصنف کی اچھوتی تحقیق ہے۔ اندلس کے عروج وزوال کی قدیم داستان تو کتب تواریخ میں بہ کثرت پائی جاتی ہے مگر جدید جمہوری اندلس میں مسلمانوں کا وجود اور ان کی نشاۃ ثانیہ کا سفر کن مراحل میں ہے اس سلسلے کی آگاہی انبعاث الإسلام في الأندلس میں بیان ہوئی ہے۔

۳- *Islam and Evolution of Science*

تعارف

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی مطبوعہ یہ کتاب ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی، کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس کی کثرت طباعت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۸۶ء تا ۱۹۸۸ء دو سال کے دورانیہ میں چار دفعہ طباعت کے مراحل سے گزرنے کے باوجود علم و تحقیق سے آشنا لوگوں کے لیے یہ مارکیٹ میں ناپید ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر محمد سعود کی تصنیف ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک ادق اور وسیع میدان ہے جسے انھوں نے ڈیڑھ سو صفحات میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ آٹھ ابواب میں سے سات کو انھوں نے سات مختلف سائنسی علوم کے ساتھ بیان کیا، جب کہ پہلا باب تعارف کے لیے خاص کیا ہے۔ کتاب کی زبان انگریزی ہے۔

مندرجات کتاب

مصنف نے پہلے باب میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمام سائنسی علوم کی بنیاد اور اساس قرآن ہے، قرآنی اساس پر علوم کی پہچان، ارتقا اور ان کے ثمرات و فوائد پر علما و اطبا کی فکر انگیز بحوث کو اسی باب میں شامل کیا ہے اور ان مناہج کو بھی زیر بحث لائے جن کو بروے کار لا کر مسلم علما نے یونانی علوم سے استفادہ کیا۔ خاص طور پر کچھ ایسے بنیادی قرآنی اصول و ضوابط بھی بیان کیے جن میں انسانیت کے لیے فلاح و ثبات ہے ورنہ انسانی ذہن تو دوسروں کی تباہی و ہلاکت کو اپنی ترقی کا زینہ سمجھتا ہے۔ وہ اصول و ضوابط مسلم علما و حکما کی رہ نمائی کرتے ہیں۔ قرآن کا نظریۂ ارتقا چاند کی ارتقائی تصویر سے سائنسی علوم کے پروان چڑھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پھر یہ مظاہر فطرت، سائنسی علوم اور کائنات میں پنہاں دیگر ایجادات کسی کے وجود کی دلیل بنتی ہیں یہ ایک آخری اور ارفع مقصد ہے جس کے لیے ایک مسلمان اپنے علم و ہنر کو بروے کار لا کر بلندیوں کو حاصل کرتا ہے۔ ان تمام بلندیوں کی طرف لے جانے کا واحد محرک اللہ کی ذات کی موجودگی کا احساس پیدا کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تعارف میں اس احساس اور مقصد کو مسلم علما و اطبا کا نشان منزل بتایا ہے۔

بعد ازاں سائنسی علوم کی ترویج میں مسلم علما کی کاوشوں کو بیان کیا ہے۔ ان علوم میں سے "علم ریاضی" سے ابتدا کرتے ہوئے ڈاکٹر سعود نے عربوں کی علم ریاضی میں ابتدائی کاوش کو عباسی خلیفہ منصور کے عہد سے شروع کیا ہے۔ پھر علم ریاضی کے ارتقائی مراحل اور اس کی نئی ایجادات ذکر کرتے ہوئے "زیرو" کی ایجاد جیومیٹری، ہندسہ اور الجبرا کو زیرِ بحث لاتے ہیں پھر ان کی ارتقائی اشکال اور جن علما و حکما نے اس کی ترقی میں اپنا کردار ادا کیا ان کی علمی وجاہت کو بھی بیان کرتے ہیں۔

اس ارتقائی بحث کے ساتھ وہ تحقیق کی نئی جہتوں کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں مثلاً مسلم ریاضی دانوں نے کچھ اعداد کے انداز قدیم ہندی علما سے لیے ہیں جن کو وہ الأعداد الهندي کہتے ہیں۔ جب کہ بعض اوقات "ہندی" کو عربی میں "ہندسی" بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے یہی "ہندسہ" جیومیٹری اور انجینئرنگ کا حصہ ہے۔ جدید تحقیق میں یہ سائنسی علوم کی نئی شاخوں کے طور پر سامنے آیا ہے۔ یہ بحث مزید تحقیق کی راہیں ہم وار کرتی ہے کہ کس طرح "ہندسی" کو "ہندی" کی جگہ پر استعمال کیا گیا۔ ان میں وجہ مماثلت و تقابل صرف علوم ریاضی کی شاخیں ہونے کی وجہ سے ہے یا ان میں وجہ افتراق پایا جاتا ہے۔ جن مسلم علما نے علوم ریاضیہ اور جیومیٹری کی ادق مباحث پر تحقیق اور اضافہ کیا اجمالاً اسے اس باب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

تیسرے باب میں ڈاکٹر صاحب نے فزکس اور ٹیکنالوجی کو موضوع بنایا ہے۔ ابن سینا کے فزکس کے گرد گھومنے والے نظریات (طاقت، جذب، روشنی اور گرمی) ہوں یا الخزینی کے مشینی آلات کے نام (ویل، ایکسل، لیور اور کنٹرول لیور) ہوں یہ تمام جدید ٹیکنالوجی کی بنیاد ہیں۔ ابن سینا، الخزینی، اور ان سے پہلے عمر الخیام نے طبیعات کے کئی بنیادی اصول وضع کیے جو جدید فزکس کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ دوسری طرف البیرونی، الخراسانی اور الرازی نے مشین کی قدیم ایجادات کو نہ صرف بیان کیا بلکہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ان میں نئی جہتوں کا انتخاب اور ان سے حاصل ہونے والی حتمی مشینی اشکال بھی بیان کی ہیں۔ "Theory of Balance" ان تمام ایجادات کی بنیادی حیثیت کے طور پر اپنی پہچان رکھتی ہے۔ اسی طرح الخراسانی نے گھڑی ایجاد کی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں مسلم سائنس دانوں کی کئی ایک کیمیائی ایجادات کا ذکر کیا ہے؛ جن کا تعلق طبیعات سے ہے جو جدید میڈیسن کی ابتدائی اشکال ہیں۔ الغرض ابن ہیثم کی **کتاب المناظر** اور ابن سینا کی کتاب **القانون في الطب** میں بھی جدید طریقہ علاج کی بنیادیں پائی جاتی ہیں۔

چوتھے باب میں آسٹرونومی "علم الهيئة" سے متعلق مسلم سائنس دانوں کی تحقیق اور تجربات بیان کیے گئے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ علم سورج کے طلوع وغروب، موسموں کی تبدیلی اور دن ورات کا آنا جانا اور نمازوں کے اوقات متعین کرنے کے لیے تھا۔ ابتدائی طور پر مسلم علما نے طویل بحری سفر کے دوران نمازوں کے اوقات جاننے کے لیے ایک منہج متعین کیا۔

پھر راستوں کی سمتیں متعین کرنے کے لیے ستاروں کا نقشہ بنایا، یہ سب آسٹرونومی کا حصہ ہے، خلیفہ منصور کے دور میں ہندی آسٹرونومی سے رہ نمائی لے کر محمد بن ابراہیم نے ایک کتاب تحریر کی جسے **سند ہند الکبیر** کا نام دیا۔[۱۲] بعد ازاں الخوارزمی نے اس کتاب کا خلاصہ آسان عربی زبان میں تحریر کیا اسی طرح یونانی آسٹرونومی اور فارسی آسٹرونومی کے مواد کا ترجمہ بھی عربی میں خلیفہ منصور کے عہد میں ہوا یہ سلسلہ مامون کے عہد تک جاری رہا۔ بعد ازاں خلیفہ مامون نے علما کی ایک جماعت اس تحقیق کے لیے خاص کی تھی جنھوں نے **کتاب الأحکام** تدوین کی جو اس میدان کی ضرورت کو پورا کرتی تھی جب کہ ترجمے کا کام ساتھ ساتھ جاری رہا۔ عبد الرحمٰن الصوفی کی کتاب **صور الکواکب** بھی اس میدان کی مشہور کتاب تصور کی جاتی ہے۔

12– Muhammad Saud, *Islam and Evolution of Science* (1988, IRI, Islamabad), 58.

پانچویں باب میں کیمسٹری "علم الکیمیا" کو رکھا گیا ہے۔ ابتدائی تعارف اور علم الکیمیا کی شاخوں پر بحث کرنے کے بعد مصنف نے جابر بن حیان کے بہ طور کیمیا دان تعارف سے شروع کیا جس نے "عناصر اربعہ" کی فکر آٹھویں صدی میں پیش کی جو ہر دھات کا حصہ اور ابتدائی مادہ ہے۔ پھر اس نے پے در پے یونانی کیمیائی علوم پر تجربات کیے۔ اس علم کے ساتھ اپنا تجربہ ملنے سے نئے نتائج اخذ کیے جو کیمیا کے میدان میں نئی ایجادات کا سبب بنے۔ ان تجربات و نتائج کے سبب جابر نے علم الکیمیا کی کئی نئی اقسام کو دریافت کیا اس سلسلے میں اس نے بڑی تعداد میں کتب لکھیں۔ بارھویں صدی عیسوی میں اس کی کتب کا ترجمہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے ۱۱۴۴ میں **کتاب السبعین** کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا۔

جابر بن حیان کے کام کو مسلم کیمسٹ نے مزید ترقی دی ابو یوسف یعقوب الکندی نے ایک دھات سے دیگر دھاتوں کو متشکل کرنے کا طریقہ وضع کیا۔ اسی طرح الرازی نے جابر کی دریافتوں کو میڈیسن میں استعمال کرنے کے طریقے وضع کیے جس نے اس میں بہت وسعت پیدا کی۔ جاحظ اور ذوالنون بھی اسی صدی کے مسلم کیمسٹ تھے۔

دسویں صدی عیسوی میں ایک مشہور مسلم کیمسٹ گزرے ہیں جن کو دنیا ابو منصور کے نام سے جانتی ہے۔ ان کی تصنیفات ۱۰۰۰ کے قریب ہیں۔ انھوں نے اپنے علمی اور تحقیقی سفر کو یونان، عرب، فارس اور ہند کی زمینوں تک پھیلایا۔ ابو منصور نے سوڈیم کاربونیٹ، پوٹاشیم کاربونیٹ اور سوڈیم ایکسائیڈ کی نئی اشکال پر اپنے تجربات کیے۔ نتائج کو نئی تحقیق کے لیے استعمال کیا۔ خلّاف ابن عباس الزھراوی کی **التصریف** جس کے تیس سیکشن ہیں ادویات کی تیاری کے لیے ایک بنیادی ماخذ تصور کیا جاتا ہے۔

البیرونی نے ہربل اور کیمیکل کے ملاپ پر کئی ایک تجربات کیے اور فارمیسی کی تحقیق کو نئی جہت دی ہے۔ اس کے علاوہ پیپر، ٹائل اور سرامکس میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی بنیادی اشکال بھی مسلم سائنس دانوں کی ایجادات ہیں۔

چھٹا باب "طب" سے متعلق ہے۔ اموی دور میں خالد بن یزید بن معاویہ نے چند ایک یونانی اور مصری کتب کا ترجمہ عربی میں کیا۔ جب کہ اسلامی طب کو عروج عباسی عہد میں نصیب ہوا، جب مسلمانوں نے یونانی، ہندی، فارسی اور چائینی طب کو عربی قالب میں ڈھالا اور اسے تجربہ سے گزار کر نئی ایجادات کے لیے راستہ ہموار کیا۔ جدید یورپ کا طالب علم جب اس طب کو مطالعے اور تحقیق کی غرض سے دیکھتا ہے تو اسے "عرب طب" کے عنوان سے ایسے مواد سے گزرنا پڑتا ہے جس میں مسلمانوں کی تحقیق، ایجاد اور استعمال کا تفصیلی بیان ہوتا ہے۔ طب

کے شعبے میں مسلمانوں نے تحقیقات و تخلیقات کا جہان پیدا کیا ہے۔ مصنف نے کئی مثالیں ذکر کی ہیں جو مغربی ماہرین نے اسلامی طب سے حاصل کی ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کی جدید میڈیکل سائنس اسلامی طب کی مرہون منت تعمیر رکھتی ہے۔ یونان اور یورپ کے درمیان اسلامی عرب تہذیب نے ایک پل کا کردار ادا کیا ہے جو انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے ابن سینا کی **قانون** اور ابو القاسم الزہراوی کی **سرجری** جدید میڈیکل کے طلبا کو ٹیکسٹ بک کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

تشریح المنصوری انسانی آرگن سے متعلق چند مسلم فزیشنز کی جمع کردہ معلومات ہیں جو عباسی خلیفہ منصور کے عہد میں لکھی گئی۔ خون کی گردش پر ابن نفیس القرشی کی تصنیف کو ولیم ہاروے نے معیاری تحقیق کا عنوان دے کر جدید میڈیکل سائنس میں متعارف کروایا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں ابن خطیب اور ابن خاتمہ کی تصنیفات بھی اسی شعبہ سے متعلق ہیں۔

مسلم دنیا کے ہسپتال یورپ کے لیے رول ماڈل تھے۔ خاص طور پر اٹلی اور فرانس میں مختلف شعبہ جات کے ساتھ بالکل اسی طرح ہسپتال بنائے گئے جس طرح اندلس اور بغداد میں بنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ مصنف نے مختلف اسلامی حکومتوں کے عہد میں مسلم اطبا کی تحقیق اور مغربی مفکرین کی جدید میڈیکل تحقیق کی مثالیں بھی نقل کی ہیں۔

ساتویں باب میں باٹنی اور زراعت کے شعبہ میں مسلم سائنس دانوں کی تحقیق کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ عرب پانی کی قلت کو مد نظر رکھتے ہوئے زراعت سے متعلق تحقیق میں زیادہ دل چسپی لیتے تھے۔ مگر مجموعی طور پر عربوں کے ہاں ابتدائی عرصہ میں زرعی تحقیق پروان نہ چڑھ سکی۔ فتوحات کے دوران عرب جن اقوام کے علاقوں میں عارضی یا مستقل رہائش اختیار کرتے وہاں کے پودوں، پھلوں اور پھولوں میں دل چسپی لیتے تھے یہ ضرورت بھی تھی اور دل چسپی کا سامان بھی۔

بعد ازاں رومی اور فارسی علاقوں میں سے پودوں کی اقسام، پھلوں کے نام اور زراعت کے طریقے عربوں کے خاص موضوع تحقیق رہے ہیں۔

ابو السعید عبد الملک السماعی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ہارون الرشید کے دور میں بغداد منتقل ہوئے۔ پودوں اور درختوں کی اقسام پر ایک کتاب تحریر کی۔ جس میں پھل دار پودوں کی اقسام اور ان کے مطابق زمین کی خاص اقسام تحریر کیں۔ اسی طرح پھول دار پودوں کی اقسام، ان کی پیداواری کیفیت اور مختلف سٹیج بھی لکھے ہیں۔

احمد ابن داؤد الدینوری بیج سے پودے تک کی اشکال اور دو پودوں کے ملاپ سے نیا پھل بنانے کا طریقہ ذکر کرتا ہے۔ اس نے اس تحقیق کے لیے اپنا باغیچہ بنا رکھا تھا۔ جہاں وہ تجربات کرتا تھا۔ ایک جہت کے تجربات مکمل ہونے کے بعد اسے ایک تحقیق کی صورت میں تصنیف کرتا۔

البیرونی نے بھی پھولوں کی تحقیق کی۔ ان کے نام بنائے جو اپنی شکل اور خوشبو کے لحاظ سے جدا جدا ہیں۔ ابن السوری شام میں ۱۱۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے القدس میں دو سال گزارے پھر لبنان گئے ہر علاقے سے پودوں کی معلومات اکٹھی کر کے ایک کتاب تصنیف کی۔

اسلامی سپین میں آخری کتاب جو زراعت پر لکھی گئی اور اسے شہرت حاصل ہوئی وہ الشبیلی کی **کتاب الفلاح** ہے۔ جو رومن اور یونانی تحقیق پر مبنی مصنف کے اپنے تجربات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یعقوبی کی **کتاب البلدان** بھی سفر ناموں کے ساتھ جمع شدہ پودوں کی معلومات پر ایک جامع رپورٹ ہے۔

کتاب کا آخری باب جغرافیہ کا ہے۔ مصنف نے اسے مسلمانوں کی خاص دل چسپی کا موضوع بتایا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان علاقائی ترقی کو اپنی ضرورت اور مقصد بناتے تھے جو کہ زمینی معلومات کے بغیر نا ممکن تھی۔ جہاد اور علاقائی انتظام و انصرام کے لیے ضروری تھا کہ ہر صوبے اور علاقے کی زمین، پہاڑی سلسلہ، دریاؤں، شہروں، اور دیہاتوں کی معلومات اکٹھی کی جائیں پھر ان کے مطابق سلطنت کو صوبوں، اضلاع اور شہروں میں تقسیم کر کے انتظام کو بہتر بنایا جائے۔

حج کا سفر اور مساجد کی تعمیر میں قبلہ کی تعیین کی خاطر بھی جغرافیہ کا جاننا ضروری تھا۔ سولھویں صدی کے آخری عشرہ میں حسن الوزاری کی تحقیق یورپ کی کئی یونی ورسٹیوں میں زیر مطالعہ رہی ہے جس کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ملتا ہے۔

افریقہ کی طرف جانے اور آنے والے بہت سارے قافلے ابن ماجد کے جغرافیائی کتابچہ سے مستفیض ہو کر اپنی منازل تک پہنچتے رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہی کئی سمندری و زمینی اور مختلف جزائر کے راستوں کی شناخت کروائی ہے۔ حتیٰ کہ انڈیا، چائنا، مالابار اور وسطی ایشیا کے راستے عرب تجارتی قافلوں اور مجاہدین اسلام کی گزرگاہوں کے ذریعے دنیا کے علم میں آئے۔

خوارزمی کی **المعمور من البلاد** اور البیرونی کی **تحقیق ماللھند** جغرافیائی معلومات کا خزانہ ہیں۔ ان کے علاوہ فارس کا جغرافیہ **کتاب المسالک و الممالک** میں ملتا ہے۔ **صور الاقالیم** بھی عرب سے انڈیا پھر بحر اٹلانٹیک تک کی جغرافیائی معلومات کا مجموعہ ہے۔

ان کے علاوہ مصنف نے مسلم جغرافیہ دانوں کے تحقیقی کاموں کو ارتقائی انداز میں پیش کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں پر محیط یہ تحقیقی سفر بغیر انقطاع کے جاری رہا اور آج جدید بحری، زمینی اور فضائی راستوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

ڈاکٹر محمد سعود کی یہ کتاب اپنے اندر معلومات کا خزانہ رکھتی ہے مگر مسلم علما کی تحقیق کو اجمالاً چند ابواب اور ڈیڑھ سو صفحات میں اکٹھا کرنا قرین قیاس نہیں۔ سائنس کی تقریباً ہر جہت مسلمانوں کے قلم سے ہو کر گزری ہے تو اس جہت کی جدید ترقی یافتہ شکل تک پہنچنا جدید محققین کے لیے ایک چیلنج ہے۔ ہر سائنس کو اس کی ابتدا، ارتقا اور انتہا (جو بہ ظاہر نظر نہیں آتی) کے لحاظ سے مطالعہ کرنا محقق کے لیے دل چسپی پیدا کرتا ہے۔ پھر اس میں مزید تحقیق کے لیے دروازے بھی کھلتے نظر آتے ہیں۔

۴۔ تقویم تاریخی

یہ کتاب عبد القدوس ہاشمی صاحب کی مرتب کردہ ہجری تاریخ کی جنتری ہے۔ تاریخوں کا حساب بتانے والی ایک تاریخی تحقیق ہے۔ اہل تحقیق کے ہاں اِسے بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ۱۹۸۶ء میں دوسری دفعہ طبع ہوئی۔ اب ادارے کی ناپید کتب میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس کی طباعت اول ۱۹۶۵ء میں ہوئی۔ یوں نصف صدی گزارنے کے باوجود کتاب کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ محققین کے ہاں ہجری اور عیسوی تاریخوں کا یکساں استعمال ہے۔ اگرچہ انٹرنیٹ کی دنیا نے تحقیقی امور کو سہل کر دیا ہے مگر کتاب سے اخذ شدہ مواد میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے۔ یہ تقویم تاریخی اگرچہ ہجری سلسلۂ تقویم کی جنتری بھی ہے مگر مصنف کے مطابق عیسوی سنین کے ساتھ ایک تقابلی جنتری ہے، ہجری سنہ کے مطابق پہلے ایڈیشن میں سنہ ۱ ر ہجری سے ۱۴۰۰ ہجری تک اس جنتری کو مرتب کیا گیا تھا کہ ایڈیشن ثانی کو ۱۵۰۰ء تک بڑھا دیا گیا ہے۔ [۱۳] تحقیقی نقطۂ نظر سے ہر ہجری سال کے ساتھ عیسوی سال، ماہ اور تاریخ کا ذکر بھی ہے مزید بر آں ہفتہ وار دنوں کا نام بھی لکھا گیا ہے اور اگر تاریخی واقعہ یا حادثہ کسی مہینے میں وقوع پذیر ہوا تو اسے بھی کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

۱۳۔ عبد القدوس ہاشمی، **تقویم تاریخی** (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۷ء)، ۸۔

کتاب کا تحریری اور روایتی انداز تو ابواب اور فصول والا ہوتا ہے مگر یہ کتاب تاریخوں کی معلومات رکھنے والی جدول نما جنتری ہے۔ جس کے ہر صفحہ پر چار ہجری سالوں کا کیلنڈر ہے۔ ہر ہجری سال کے نیچے چار کالم ہیں، پہلے کالم میں اسلامی مہینوں کے نام، دوسرے میں ایام کے اسما، تیسرے میں عیسوی سنہ کی تاریخ اور چوتھے کالم میں، اگر کوئی حادثہ یا واقعہ تاریخی اعتبار سے اہم ہے، اسے رکھا گیا ہے۔ اسی کے سامنے جب دوسرے ہجری سال کا جدول رکھا تو اس میں دوبارہ اسلامی مہینوں کے اسما والے کالم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ جس وجہ سے وہاں تین کالم بنائے گئے ہیں۔

دوسرے ایڈیشن میں ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ قبل المسیح (ق م) کے تاریخی سلسلہ کی طرح، قبل الہجرۃ (ق ھ) کا تاریخی سلسلہ متعارف کروایا گیا۔ جو ہر ۳۳ سالوں کے وقفہ سے دونوں تقویمات کا مختصر جدول ہے۔ یہ جدول چار صفحات پر مشتمل اس تاریخی جنتری کے شروع ہونے سے پہلے رکھا گیا ہے۔ آخر میں مصادر کا ذکر بھی ہے جو دو طرح کے ہیں ایک وہ مصادر ہیں جو صرف جنتری کی تیاری میں استعمال ہوئے ان کا مصنف نے ذکر بھی کیا ہے۔

مگر وہ مصادر جو حوادثات و واقعات کی تواریخ کا ذکر کرتے ہوں مصنف نے ذکر نہیں کیے بلکہ ایک پیراگراف میں ان کتابوں کا نام دیا ہے۔ البتہ واقعات کا حوالہ تحقیقی منہج پر نہیں دیا۔ مصنف نے ابتداً اس کا ذکر کیا ہے کہ یا تو وہ واقعہ یا حادثہ اس مہینہ میں ہوا ہے یا پھر اسی تاریخ کو ہوا ہے مگر قاری کے لیے جاننا مشکل ہے کہ حادثہ کی اصل تاریخ کیا ہے۔ اس کے لیے اسے تاریخ کی کتب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جدید تحقیق میں شخصیات کے احوالِ زندگی لکھتے ہوئے، ہجری اور عیسوی دونوں سنین کو شمار کیا جاتا ہے۔ **تقویم تاریخی** محققین کے لیے دونوں سنین کی تلاش میں آسانی پیدا کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی کی مطبوعات، علما و محققین کی میراث ہیں۔ جو ان کی زندگی کا حاصل اور ثمر ہیں۔ دیگر شعبہ جات کے علاوہ تاریخ اسلام پر ادارہ کی کتب طلبائے اسلام اور نوجوانان ملت کو قرآن حکیم کا بنیادی سبق سکھاتی ہیں کہ تاریخ ماضی سے سبق سیکھ کر اپنے مستقبل کو روشن کرنا تمہیں منزل آشنا کرتا رہے گا۔ جب کہ مسلمان محققین تاریخ کو علوم و فنون کی مختلف جہتوں میں بروے کار لا کر اس میں سے اپنا مقصود اور مطلب حاصل کرتے رہے ہیں۔ تفسیر، سیرت، فقہ اور علوم اجتماع تقریباً ہر علم میں تاریخ کا کچھ نہ کچھ حصّہ کسی مشکل گتھی کو سلجھانے میں کام آتا ہے۔

اندلس میں مسلمانوں کی گم شدہ میراث ہو یا جدید اندلس میں مسلم تہذیب کی نئی ارتقائی تصویر، سائنس کی ترقی و ترویج میں مسلمانوں کا کردار ہو یا سنہ ہجری کے اجرا میں مسلمانوں کی کوشش، علم تاریخ کا بڑا حصہ

کسی نہ کسی صورت میں ہمیں ملتا ہے۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے علوم اسلامی کے اس گوشہ کو تشنہ نہیں رہنے دیا بلکہ تحقیقی اور علمی معیار کے مطابق اپنی ذمہ داری کو ادا کیا ہے۔

خلاصہ

تعلیمی و تحقیقی اداروں کا اصل سرمایہ وہ افراد کار ہوتے ہیں جو اپنے علمی و تحقیقی کارناموں کے سبب ادارے کی پہچان بنتے ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کی شان دار تاریخ کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے بہت سی ایسی نام ور علمی شخصیات وابستہ رہیں جن کے قلم سے مذکورہ گوہر ہائے نمایاں منصۂ شہود پر آئے۔ اُن میں سے پہلی کتاب اسلامی اندلس کی تاریخ پر ایک بیش قیمت پیش رفت ہے۔ کتاب **انبعات الإسلام في الأندلس** موجودہ اندلس کے سیاسی ارتقا کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ موجودہ سائنسی ترقی میں مسلم زعما کا کردار جاننے کے لیے *Islam and Evolution of Science* ایک بہترین ذریعہ ہے، اور آخری کتاب **تقویم تاریخی** محققین کو یہ سہولت بہم پہنچاتی ہے کہ وہ ہجری اور عیسوی تواریخ کو ایک ہی جگہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ ادارے سے وابستہ ان شخصیات نے نہ صرف علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا بلکہ تحقیق کے نئے در بھی وا کیے۔

مذکورہ چاروں کتب اپنے موضوع اور تحقیق کے لحاظ سے بہت مفید ہیں، البتہ کچھ تجاویز پر غور کیا جانا چاہیے:

۱۔ مقالہ "سپین میں اسلام کی سرگزشت" مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمود الرحمٰن کا مقالہ "علامہ اقبال مسجد قرطبہ میں" تحقیقی منہج کے مطابق نہیں جس پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

۳۔ اندلس کا طبی سرمایہ جدید میڈیکل سائنس کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، جب کہ ان میں تعلق و اتصال واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ ابن رشد اور ابن خلدون سے منسلک تمام علمی جہتیں مزید تحقیق کا تقاضا کرتی ہیں۔

۵۔ اندلس کی اسلامی ثقافت دو تہذیبوں کی امتزاج سے پروان چڑھی ہے مگر اس کی تصویر کشی اسلامی افکار و مظاہر کے مطابق ہونی چاہیے۔

۶۔ اسلامی اندلس میں معاشی اور معاشرتی ترقی کے حوالے سے مزید تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔

۷۔ قارئین کی سہولت کی خاطر مذکورہ کتب کی جدید انداز میں طباعت کی جائے۔